R.No. 2186/57 REGD-N-L 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۸ شمارہ ۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جنوری ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

اسٹاین بیک

سارتر کو جب نوبل پرائز ملا تو اس نے انکار کر دیا۔ اسٹاین بیک کو جب نوبل پرائز ملا تو اس نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ امریکہ کا مشہور نقاد ایڈمنڈ ولسن کہتا ہے کہ ہمیں کبھی ایسی کتابوں سے سابقہ پڑتا ہے جو یقینی طور پر اعلیٰ ادب اور یقینی طور پر سطحی ادب کے درمیان ہوتی ہیں مثلاً اسٹائن بیک کی ناولیں۔ اسٹائن بیک کو ہیمنگوے، فاکنر، اونیل کی صف میں تو نہیں رکھا جا سکتا، مگر وہ یقیناً امریکہ کا ایک ممتاز ناولسٹ اور کہانی کار تھا۔ ابھی حال میں چھیاسٹھ برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

میں نے سب سے پہلے اس کی دو طویل کہانیاں 'چوہے اور آدمی' اور 'سرخ گھوڑا' پڑھیں۔ دونوں اعلیٰ درجے کی کہانیاں ہیں۔ اور پڑھنے والے پر ایک گہرا نقش چھوڑتی ہیں۔ 'چوہے اور آدمی' دو مسیلانیوں کی کہانی ہے۔ ان میں سے ایک لینی نہایت طاقتور ہے مگر عقل سے عاری۔ وہ چوہوں کو اس لیے پکڑتا ہے کہ انھیں دبوچنا اور سہلانا اسے اچھا لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ چوہے اس لاڈ پیار کی تاب نہیں لا سکتے لینی اور اس کا دوست ایک کھیت کھلیان سے دوسرے تک زندگی گزارتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا ہے کہ انھیں فرار اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے مگر لینی کا جی بے اختیار کسان کی بیوی کی نرم اور ملائم جلد سہلانے کو چاہتا ہے۔ وہ چیختی ہے تو یہ گھبرا کر اس طرح اس کی گردن دبا دیتا ہے جس طرح چوہوں کی۔ دونوں کو پھر بھاگنا پڑتا ہے اور بالآخر اس کا دوست لینی سے جان چھڑانے کے لیے اسے گولی مار دیتا ہے۔ سرخ گھوڑے میں ایک بچے اور ایک مرتے ہوئے گھوڑے کی کہانی ہے جس میں جذبات کے بیان اور مشاہدے کی گہرائی دونوں کا کمال ہے۔ مگر اسٹاین بیک کی شہرت دراصل اس کے شاہکار غضب کے انگور (THE GRAPES OF WRATH) کی وجہ سے ہوئی۔ اس میں ان کسانوں کی زندگی کی لازوال تصویر ہے جو اپنی زمین چھوڑ کر کیلی فورنیا کے باغوں میں پھل چننے کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ ان کی امیدوں اور مایوسیوں، ان کے تجربات اور ان کے ساتھ مظالم کی بڑی جاندار کہانی ہے۔ اسٹاین بیک کیلی فورنیا کے علاقے کا رہنے والا تھا اور اس نے اس علاقے کو اپنے ناولوں میں اس طرح محفوظ کر دیا ہے کہ ہم اس کی سرد وادی اور سربلندی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ اسٹاین بیک کو ان چھوٹے آدمیوں کی عکاسی میں بھی کمال حاصل تھا جو کیلی فورنیا کے ساحل پر بستے ہیں اور جو ہسپانوی یا ہسپانوی انڈین نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں بہت سے عادی مجرم ہیں مگر ان میں ایک معصومیت اور سادگی ہے جو ان جرائم کو بھی ایک مقدس ہالہ عطا کر دیتی ہے (TORTILLA FLAT) اور (CANARY ROW) میں جو لوگ ہمیں ملتے ہیں ان پر پیار ضرور آتا ہے۔ اسٹاین بیک کے یہاں فلسفیانہ گہرائی نہیں ہے، نہ اس کے یہاں بہت زیادہ تنوع ہے، مگر وہ جذبات سے بھرپور، انسانی ہمدردی سے معمور، فطرت انسانی سے آشنا دل رکھتا ہے۔ اس نے ویت نام سے اپنی لڑکی کے نام جو خط لکھے تھے، یا اس سے پہلے دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کے محاذ کے متعلق جو کہانیاں لکھی تھیں، ان میں ایک فوجی نامہ نگار سے زیادہ ایک فن کار کا فطرت انسانی کا تجزیہ ملتا ہے۔ اسٹاین بیک کو پڑھ کر نظیر کے آدمی نامہ کی یاد آتی ہے۔ وہ نوکر جو مرغیاں چراتا ہے، جو سرائے کی مالکہ کو غچہ دے کر شراب حاصل کرتا ہے، جو دکانوں پر سے کھانے پینے کی چیزیں بڑی صفائی سے غائب کر دیتا ہے، یاروں کا یار ہے اور اسے جب اتفاق سے ایک مکان مل جاتا ہے تو سارے دوستوں کو اس میں رہنے کی دعوت دیتا ہے، مریضوں کی خدمت کرتا ہے اور دوستوں کی مصیبت میں کام آتا ہے۔ اسٹاین بیک کی انسان دوستی، اس کی جاندار اور جذبے سے تھرتھراتی ہوئی نثر اور اس کا انسانی فطرت کا مطالعہ، اس کے نام کو بہرحال باقی رکھے گا۔ اسٹاین بیک نگاہوں کو خیرہ کرنے والا سورج نہیں ہے وہ ایک ایسا ستارہ ہے جو رات کی سیاہی کو کم کرتا ہے اور جو زندگی کی اندھیری راتوں میں ایک اچھا رفیق سفر ہے۔

لکھنؤ میں میرؔ کے نام پر محلہ

لکھنؤ: مقامی شہری کارپوریشن کے ایک رکن جناب اعزاز رضوی کی ایک تجویز منظور کر لی گئی تو لکھنؤ شہر میں ایک محلہ کو خدائے سخن میر تقی میرؔ کے نام سے منسوب کر دیا جائے گا یہ محلہ ہے "تھیال پوروہ"۔ جناب رضوی نے آج کارپوریشن کے جلسہ میں یہ تجویز پیش کی کہ اس محلہ میں رہنے والے شرفا جن میں جج اور بیرسٹر وغیرہ بھی شامل ہیں محلہ کے نام سے خط و کتابت کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں کیونکہ اس میں ذم کا پہلو پایا جاتا ہے اس لئے کیوں نہ اس محلہ کا نام میر تقی میرؔ کے نام پر "میر باغ" کر دیا جائے۔ (ریاست)

شورشؔ کاشمیری کی رہائی

کراچی: پاکستان کے مشہور ادیب، شاعر و صحافی آغا شورشؔ کاشمیری مدیر چٹان لاہور کی نظربندی کا حکم مغربی پاکستان ہائیکورٹ نے منسوخ کر دیا ہے۔ ہائیکورٹ کے فیصلہ کے مطابق کراچی جیل سے انھیں رہا کر دیا گیا۔ (ریاست)

فاربس کی لغت کا نیا ایڈیشن

علمی مجلس دلی نے کلاسکی کتابوں کے متن شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کی ایک اور کڑی اردو، انگریزی لغت کی صورت میں منظر عام پر آگئی ہے اردو کے ساتھ ہندی الفاظ دیوناگری رسم خط میں بھی ہیں۔ اس لغت کا مرتب ہندوستانی زبان کا ماہر مشہور مستشرق ڈنکن فاربس "DUNCAN FORBIS" ہے جو کنگز کالج (کیمبرج) میں ہندوستانی زبانوں کا پروفیسر تھا اور اردو لغت و قواعد میں متعدد کتابوں کا مصنف ہے اس نے میر امن کی باغ و بہار کا بھی ایک اچھا ایڈیشن لندن میں شائع کیا تھا اردو ہندوستانی انگریزی لغت کا موجودہ نسخہ ۱۸۶۶ء کے لندن سے چھپے ہوئے دوسرے توسیع و اضافہ شدہ ایڈیشن کو آفسیٹ طریق طباعت سے چھاپ کر تیار کیا گیا ہے۔ (نامہ نگار)

شعری مجموعہ حیرت کدہ کی اشاعت

چنڈی گڑھ: ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ پنجاب کے ممتاز اور کہنہ مشق اردو شاعر، سردار اودے سنگھ شائقؔ صاحب کا مجموعہ کلام "حیرت کدہ" کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آگیا ہے۔ شائقؔ صاحب تقسیم وطن سے قبل پنجاب میں علامہ تاجور نجیب آبادی کے رفیق خاص اور مشاعروں کی روح رواں سمجھے جاتے تھے مجموعہ ہذا معنوی اور صوری ہر دو لحاظ سے قابل قدر ہے طباعت فوٹو آفسٹ کے ذریعہ نہایت عمدہ اور دبیز کاغذ پر ہوئی ہے۔ حجم پونے دو سو صفحات پر محیط ہے اور سرورق جسونت سنگھ کے موئے قلم کا نتیجہ ہے۔ (سورج تویہ)

غالبؔ سالگرہ منانے کے لئے ہندو یونیورسٹی کو ۵ ہزار ۹ سو کی امداد

بنارس: یونیورسٹی امدادی کمیشن نے بنارس ہندو یونیورسٹی کو مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی صد سالہ سالگرہ منانے کے لئے ۵ ہزار ۹ سو روپے کی رقم بطور مدد کے دی۔

اس رقم کی منظوری کی اطلاع یونیورسٹی امدادی کمیشن نے ایک خط کے ذریعے رجسٹرار بنارس ہندو یونیورسٹی کو دی ہے۔ اس رقم کو یونیورسٹی کو ۶ ماہ کے اندر استعمال کر لینا ہے۔ (نامہ نگار)

اظہر افسر کے ڈرامے "دھنک" کو پہلا انعام

حیدرآباد: ہر سال یکم نومبر کو یوم تاسیس حکومت آندھرا پردیش کی تقریبات منائی جاتی ہیں۔ اس سال یوم تاسیس کے سلسلے میں منعقدہ ڈراموں کے مقابلے میں اردو کے ممتاز ڈرامہ نگار اظہر افسر کے اردو ڈرامے "دھنک" کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ (شاعر بمبئی)

اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس و جماعتیں

حیدرآباد: ریاستی وزیر تعلیم جناب پی، وی، نرسمہا راؤ نے اردو ہال میں تقریر کرتے ہوئے یہ بتایا کہ آندھرا پردیش میں خالصتاً اردو ذریعہ تعلیم کے (۹۴۵) تحتانوی مدارس اور (۱۷۴۲) متوازی اردو جماعتیں موجود ہیں انھوں نے انکشاف کیا کہ خالصتہً اردو ذریعہ تعلیم کے ثانوی مدارس کی تعداد (۱۴۷) ہے اور متوازی جماعتیں (۱۰۱۳) ہیں وزیر تعلیم کا خیال ہے کہ ہندوستان کی کسی اور ریاست میں اردو ذریعہ تعلیم کے اتنے مدارس نہیں ہیں۔ (رہنمائے دکن)

"بزم" کا پہلا شمارہ شائع ہو گیا

"ادارہ وقت" جمشید پور کا ترجمان "بزم" کا پہلا شمارہ منظر عام پر آگیا ہے۔ اڈیٹر حسن نظامی کیراپلی ہیں اور ادارت میں زکی انور، ناظر عاشق ہرگانوی، ایم، شاہد اور اسے منظر کے نام شامل ہیں۔

مزید تفصیلات۔ نیشنل بک ایجنسی، ساکچی جمشید پور ۱ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

ڈاکٹر سید حامد حسین

مفتی محمد انوار الحق مرتب "نسخۂ حمیدیہ"

("نسخۂ حمیدیہ" کی ترتیب نو کے دوران جب اس نسخہ کے مرتب مفتی انوار الحق صاحب کے بارے میں تفصیلات تلاش کیں تو سید سلیمان ندوی صاحب کے ایک مختصر نوٹ کے علاوہ کچھ دستیاب نہ ہوسکا چنانچہ مفتی صاحب کے صاحبزادے جناب احسان الحق سے اس سلسلہ میں مدد چاہی لیکن مفتی صاحب کے انتقال کے وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ وہ بھی زیادہ تفصیلی حالات فراہم کرنے سے معذور رہے لیکن ان کی وساطت سے مجھے جناب سید ساجد علی صاحب کا ایک نوٹ موصول ہوا جو مفتی صاحب کی حیات اور تصانیف پر روشنی ڈالتا ہے۔ ساجد علی صاحب مفتی صاحب کے داماد ہیں اور ریاست حیدرآباد میں ایک طویل عرصہ تک نائب ناظم تعلیمات رہنے کے بعد اب اس عہدہ سے سبکدوش ہوچکے ہیں ساجد علی صاحب اور علامہ سلیمان ندوی کے نوٹ درج ذیل ہیں۔ توقع ہے کہ غالب پر کئے جانے والے تحقیقی کام میں یہ مفید ثابت ہوں گے)

(۱)

مفتی محمد انوار الحق مرحوم ہندوستان کے مشہور محدث مفتی عبداللہ ٹونکی کے لڑکے تھے۔ یہ ٹونک میں ۸ر جون ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ ٹونک راجپوتانہ میں ایک ریاست تھی جس کے حکمراں شریعت کے پابند مسلم ہوتے تھے۔ ان کی وجہ سے ٹونک میں اسلامی علوم کا بہت چرچا تھا۔ مشکل سے کوئی مسلمان کا گھر ہوگا جس میں ایک دو حافظ قرآن نہ ہوں گے۔ چنانچہ خود مفتی عبداللہ صاحب حافظ تھے اور ان کی ہی خواہش پر مفتی محمد انوار الحق نے عمر زیادہ ہونے کے باوجود قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ ان کے والد لاہور کے اسلامیہ کالج میں صدر مولوی تھے اس لئے ان کی تمام تعلیم لاہور میں ہوئی۔ وہیں سے فارسی میں منشی فاضل کا امتحان کامیاب کیا اور بعد میں فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ ان امتحانات کے کامیاب کرنے کے بعد راولپنڈی کے گارڈن مشن کالج میں پروفیسری پر مامور ہوئے۔ وہاں سے ترک ملازمت کرکے بمبئی کے ولسن کالج میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ ان دونوں کالجوں میں یہ اپنے تعلیم کے دلنشین طریقوں کی وجہ سے اپنے طالب علموں میں بہت مقبول رہے۔ چونکہ حصول علم کا شوق عمر بھر رہا اس لئے انھوں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کا ایک اچھا کتب خانہ جمع کرلیا تھا۔

جب ان کے تعلیم و تعلّم کا شہرہ بھوپال پہونچا خصوصاً ان کی اسلامیات سے واقفیت کا علم بیگم صاحبہ بھوپال علیہ حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کو ہوا تو انھوں نے ان کو بمبئی سے بلواکر اپنی ریاست کے محکمہ تعلیمات کی ڈائرکٹری پر مقرر کردیا۔ اسی زمانۂ ڈائرکٹری میں ان کے جوہر چمکے۔ ریاست بھوپال اشاعت تعلیم عام کے لئے تمام ہندوستان میں مشہور ہوگئی۔ ابتدائی تعلیم عام اور لازمی کردی گئی۔ مفلس طلبہ کے لئے کتب درسی اور سامان نوشت و خواند فراہم کیا جاتا تھا۔ معذور طلبہ کی تعلیم کے لئے خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔

بیگم صاحبہ کو لڑکیوں کی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس لئے ان کے لئے علیحدہ مدرسے قائم کئے گئے تھے اور ان کے لئے پردہ دار گاڑیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں برقعوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا تاکہ والدین اور سرپرستوں کو اپنی لڑکیوں کو مدرسہ بھیجنے میں کوئی عذر نہ ہو۔ درسی کتب مفتی صاحب کی نگرانی میں لکھوائی گئیں۔ ان کی خانہ داری اور دینی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔ بعض درسی کتب اور بہت سی عام معلومات کی کتب خود مفتی صاحب نے لکھیں۔ چونکہ سرکاری طور سے لکھی گئی تھیں اس لئے ان پر ان کا نام درج نہیں

اشفاق احمد اعظمی

نیا سال

پھر نیا سال آیا ہے لمحات کی دھڑکنوں میں چھپا
ان انجانے لمحات کی
جو پھر سال بھر
ہمارے سروں سے گزرتے رہیں گے
گذشتہ برس کی طرح
جرس کی صداؤں میں رقصاں کناں
ایک ایک پل رواں
قافلوں کی بکھرتی ہوئی دھول میں
یاس
ہر اک شاخ پر جھولتے
ساعتوں کے قفس کی طرح
جن میں محبوس پائیں گے ہم سینکڑوں خواہشیں
پھر نئے سال میں
گھومتے راستوں پر نظر آئیں گے
مقبروں کی طرح
کتنے ٹوٹے ہوئے سلسلوں کی طرح
پھر نیا سال آیا ہے احساس کی دھڑکنوں میں چھپا ۔ !!

کیا گیا۔

مفتی صاحب کی ڈائرکٹری کے زمانہ میں بھوپال میں اردو میں بہت اچھی کتابیں لکھوائی گئیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب محمد امین صاحب زبیری، محمد عبدالرزاق صاحب مورخ اور قاضی عبدالغفار اپنی تالیفات اور تصنیفات سے زبان اردو کو مالا مال کر رہے تھے۔ خود مفتی صاحب نے حقائق اسلام لکھی اور پیرایہ بیان ایسا دلنشیں اور دلائل ایسے معقول اختیار کئے کہ جدید تعلیم یافتہ بھی اسے پڑھتے اور اسلام کی برتری کے قائل ہوتے۔ دوسری کتاب "تذکرۃ الحبیب" ہے، اس میں ایک خلق کو لیا ہے، اسے اسوۂ حسنہ اور حدیث نبوی سے اس طرح واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کی سیرت سازی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ "انتظام خانہ داری" لڑکیوں کے لئے لکھی۔ بعض مشہور کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ مثلاً UNIVERSAL HISTORY OF THE WORLD مصنفہ PROF RIDPATH کے ایک حصہ کا ترجمہ "تاریخ ابوالبشر" کیا۔ اس کے آخر میں انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ بھی منسلک کر دیا گیا۔ یہ ترجمہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۱۷ء میں قائم ہوئی جس میں علمی اصطلاحات کے لئے دارالترجمہ قائم کیا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مفتی صاحب کی شخصیت کتنی جامع قابلیت تھی۔

دوسری کتاب "اثبات الوجود" ہے جس کا بڑا ماخذ آرمسٹرانگ کی انگریزی کتاب GOD AND SOUL ہے۔ تیسری کتاب "رسالہ قوت خیال ملقب بہ تہذیب الخیال" ہے۔ رالف والڈو ٹرائن کی کتاب کیریکٹر بلڈنگ کا ترجمہ ہے۔ چوتھی کتاب "چیستان عالم" ٹیگور کی "پرنس آف دی ڈارک چیمبر" کا ترجمہ ہے۔ مفتی صاحب نے ان جملہ کتابوں میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی معلومات میں اضافہ کے ساتھ اسلامی عقائد میں پختگی پیدا ہو اور اسلام کے اصولوں کی حقیقت واضح ہو جائے۔

مفتی صاحب کو اسلام سے عشق تھا اور زبان اردو سے محبت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جو نوجوان سرکاری مدرسوں اور کالجوں سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں ان کے عقائد متزلزل نہ ہوں بلکہ ان کو اسلام سے محبت ہو اور صحیح معنوں میں مسلمان بنیں۔ زبان اردو کا دامن علوم سے مالا مال ہو اور اس میں اتنی وسعت پیدا ہو کہ موجودہ زمانہ کے علوم کے بیان میں کوتاہی محسوس نہ کرے۔ مفتی صاحب کی زبان سادہ اور سلیس ہوتی ہے اور بیان مدلل اور معقول ایسا ہوتا ہے کہ موجودہ تعلیم یافتہ کے دل میں بھی گھر کر لیتا ہے۔

سید ساجد علی

(نوٹ موصولہ دسمبر ۱۹۲ء)

بھوپال سے مفتی محمد انوار الحق صاحب ایم اے خلف مفتی عبداللہ صاحب ٹونکی سابق وزیر تعلیم و حال وزیر مالیات بھوپال کی وفات کی افسوسناک خبر آئی ہے۔ موصوف صاحب علم اور محب دین تھے۔ ان کی علمی خدمات اور تحریری مجاہدات بھی خاص ذکر کے قابل ہیں۔ "تاریخ ابوالبشر"، "اثبات واجب الوجود" اور دوسری مذہبی کتابیں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ مگر بجز علمی و تعلیمی کاموں کی مشغولیت کے باوجود اخیر عمر میں سرکار بھوپال کے مالیات کے صیغہ کو جس خوبی سے سنبھالا، دوست، دشمن ہر ایک نے اس کی تحسین کی، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ رحمت سے ان کو مالا مال کرے۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ جنوری ۱۹۴۰ء　　سید سلیمان ندوی

(۱) "یادِ رفتگاں" مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء۔ صفحہ ۲۲۸۔

مفتی صاحب کا انتقال ۳۰ر مئی ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ علامہ مرحوم کی مندرجہ بالا تحریر کے ساتھ جنوری ۱۹۴۰ء کا اندراج اس لیے تعجب خیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنہ تحریر کرنے میں کتابت کا سہو ہو گیا ہو۔ "یادِ رفتگاں" میں ہی صفحہ ۸۰ پر مفتی صاحب کے والد مولانا محمد عبداللہ ٹونکی پر علامہ سلیمان ندوی کا ایک مختصر نوٹ درج ہے۔ مفتی محمد عبداللہ صاحب نے ۷ر نومبر ۱۹۲۰ء کو بھوپال میں وفات پائی۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

بہار کے نوچراغ (خاکے اور افسانے)

مصنف :- سید محمد حسنین

ناشر :- اردو سوسائٹی، بھوز پوکھر، پٹنہ ۳

قیمت :- ایک سو پچاس روپیے، صفحات ۱۷۳

دودِ چراغِ محفل (ڈراما)

مصنفہ :- ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

مطبوعہ :- اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار، حیدرآباد

قیمت :- دو روپے، صفحات ۹۰

فروغِ اردو غالب نمبر

مرتبین :- محمد حسین شمس علوی و حکیم عبدالقوی دریابادی

ناشر :- فروغ اردو، ۳۴۰ امین آباد پارک، لکھنؤ

قیمت :- پندرہ روپے

عبدالحق کے خطوط عبدالحق کے نام

مرتب :- ڈاکٹر محمد عبدالحق

ناشر :- اسلامیہ بک ڈپو، کرنول

قیمت :- دو روپے، صفحات ۱۲۲

تصحیح

یکم جنوری ۱۹۹۹ء کے ہماری زبان کے شمارہ میں "فہرست مخطوطات اردو ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ" کے عنوان سے جو فہرست شائع ہوئی ہے اس پر مرتب کا نام غلطی سے درج ہونے سے رہ گیا۔ مذکورہ فہرست جناب پروفیسر نورالحسن ہاشمی کی عنایت سے موصول ہوئی ہے۔　　(ادارہ)

ڈاکٹر ابو محمد سحر

دیوانِ غالب

اپریل فول اور اہلِ تحقیق

(۱)

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اردو تحقیق کا سب سے عبرت انگیز واقعہ کیا ہے تو میں کہوں گا کہ دیوان غالب مرتبہ مالک رام میں اس غزل کی شمولیت جس کا مقطع ہے

پیرانہ سال غالبِ بے کس کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

مالک رام صاحب نے دیوان غالب میں یہ غزل ہمایوں لاہور، اپریل ۱۹۲۹ء سے اخذ کر کے شامل کی تھی۔ اس عبرت انگیز واقعے کے رونما ہونے کے بعد خود مالک رام صاحب کو اس کی تحقیق ہو چکی ہے کہ یہ غزل ہمایوں سے پہلے دین و دنیا دہلی میں اس تمہید کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

"فصیح الملک خدائے سخن نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ غزل وہ متبرک روحانی تحفہ جو اب تک مرزا غالب کے کسی دیوان یا ضمیمہ میں شائع نہیں ہوا اور جو امیر الامرا نواب یار محمد خاں مرحوم کے کتب خانۂ قدیم سے بذریعۂ خاص حاصل کر کے دین و دنیا میں شائع کیا جا رہا ہے۔

جوہر قریشی بھوپالی"

اور اس سے بھی پہلے اسے ماڈل ہائی اسکول بھوپال کے پرچے "جوہرِ تعلیم" مطابق اپریل ۱۹۲۷ء میں "اپریل فول" کے عنوان سے شائع کیا گیا تھا، نیز اس کے خالق "غالبِ بے کس" کے بجائے مولوی محمد ابراہیم خلیل صاحب مرحوم تھے۔ اس نے جہاں تک اس کے کلام غالب نہ ہونے کا تعلق ہے مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ مالک رام صاحب اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر چکے ہیں اس لئے فی نفسہٖ یہ معاملہ بھی خارج از بحث ہے۔ لیکن کسی واقعے سے درسِ عبرت حاصل کرنے میں غلط فہمیاں یا کوتاہیاں رہ جائیں تو قدرت کے ایک کارآمد عمل سے ہم پوری طرح مستفید نہیں ہو پاتے۔ میں اس اتفاقی غلطی کو حضرت مالک رام صاحب کا سہو نہیں بلکہ اردو تحقیق کے معیار اور مزاج کی کوتاہی سمجھتا ہوں اور اس حیثیت سے اس کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔

(۲)

اس غزل کے متعلق ضروری تحریک سب سے پہلے ڈاکٹر گیان چند صاحب نے خط و کتابت کے ذریعے سے مالک رام صاحب کو مطلع کیا تھا پھر انھوں نے اپنی ایک مختصر تحریر "غالب اور بھوپال" مطبوعہ اردوئے معلیٰ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، شمارہ اول، غالب نمبر ۱۹۷۰ء میں بھی اس کا ذکر کیا۔ تحقیق کا پہلا اور بنیادی سہو یہ ہے کہ ہمایوں سے یہ غزل دیوان غالب میں شامل کرتے وقت مالک رام صاحب کو اس غزل کی ثقاہت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوا حالانکہ ہمایوں نے اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا تھا کہ یہ غزل غالب کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمایوں ایک معیاری اور ثقہ رسالہ تھا لیکن اس غزل کے سلسلے میں اس کی اس حیثیت سے مرعوب ہو جانا بالکل غیر تحقیقی تھا، ایسی صورت میں اور بھی کہ اس میں یہ غزل ایک اور رسالے سے نقل کی گئی تھی۔ دوسرا سہو یہ ہوا کہ اس غزل کے متعلق شبہات سامنے آنے کے بعد بھی عارضی طور ہی پر سہی مالک رام صاحب نے ایک مشکوک ماخذ پر بھروسا کیا اور ابتدا میں مزید تحقیق کی کوشش بظاہر اس توقع پر کی کہ اس کی تائید میں کوئی قوی ثبوت مل جائے گا۔ اس میں جب مایوسی ہوئی اور حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی تو اگرچہ مالک رام صاحب نے اس غزل کو دیوان غالب سے خارج کرنے کے لئے فوری قدم اٹھایا لیکن غزل کو دیوان میں شامل کرنے میں جو سہو ان سے ہو گیا تھا اس کا تذکرہ انھوں نے اس انداز سے کیا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ تحقیق کی یہ تیسری لغزش تھی۔

بشیر بدر (انشائیہ)

سنگِ میل

(۱۹۶۹ء)

اکیلا مسافر
کروڑوں کے ہمراہ
پھر بھی اکیلا
بہاروں کا جویا
خزاؤں کے تھپیڑوں کو سہتا
تمنائے تشنہ
تلطف کا بھوکا
سمیٹے ہوئے جسم کی خواہشوں کو
گراں باریِ روح پر مرثیہ گو
ازل سے
زمانے کے صحرا میں تپتا سلگتا
بقا اور فنا کی منازل سے ہو کر
ہزاروں برس کی تراشیدہ پگڈنڈیوں سے گزر کر
کڑے کوس کی راہ پہ
سوئے شامِ ابد
بس چلا جا رہا ہے — چلا جا رہا ہے

(۳)

نگرو نظر سہ ماہی علی گڑھ جنوری ۱۹۶۱ء میں اپنے ایک مضمون میں مالک رام صاحب اس غزل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"چونکہ جناب عرشی صاحب کی طرح میں بھی اس غزل کو اپنے مرتبہ دیوان میں شامل کرنے کا گنہگار ہو چکا ہوں اس لئے اس سے متعلق چند لفظ لکھ دینا بے محل نہیں ہوگا۔"

بے شک جناب عرشی صاحب نے بھی دیوان غالب (نسخۂ عرشی) میں اس غزل کو شامل کیا لیکن ان کا طریقہ مالک رام صاحب سے بالکل مختلف تھا۔ مالک رام صاحب نے اس غزل کو اپنے مرتبہ دیوان کے تتمے میں ہمایوں کے حوالے سے سو فیصدی غالب کی غزل سمجھ کر شائع کیا۔ انھوں نے مقدمے میں لکھا ہے۔

"میں نے اس حصے میں حتی الوسع وہ تمام کلام جمع کر دیا ہے جو مجھے مختلف جگہ سے مل سکا ہے، خواہ وہ متداول نسخوں میں چھپا ہے یا دوسری کتابوں اور رسالوں میں۔ میں نے ہر جگہ اپنے ماخذ کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ اگر کوئی صاحب چاہیں تو اصل کی طرف رجوع کر سکیں۔"

یہ عبارت اس حد تک بالکل واضح ہے کہ تتمے میں جو کلام شامل ہے اس کے کلام غالب ہونے کے بارے میں مالک رام صاحب کو کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کی ثقاہت کے بارے میں انھوں نے اتنا کافی سمجھا کہ اپنے ماخذ کا حوالہ دے دیا اور یہ کام کسی مرد حق شناس پر چھوڑ دیا کہ اگر وہ چاہے تو اصل کی طرف رجوع کرے۔ میری دانست میں یہ کام خود مالک رام صاحب کو بھی کرنا چاہیے تھا۔ اصل کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دیوان غالب مرتبۂ مالک رام صاحب میں الہلال، ہمایوں، آج کل اور نگار وغیرہ کے حوالے دیکھ کر اصل سے رجوع کرنے والا یہ اطمینان کر کے رہ جائے کہ اشعار ماخذ کے مطابق نقل کئے گئے ہیں۔

مالک رام صاحب کے برخلاف مولانا امتیاز علی عرشی صاحب نے دیوان غالب نسخۂ عرشی میں اس غزل کو اس کے تیسرے حصے یعنی یادگار نالہ میں شامل کیا ہے۔ اس حصے کی نوعیت انھوں نے دیباچے میں اس طرح واضح کی ہے۔

"اس حصے میں وہ اشعار بھی ہیں جو میری دانست میں معتبر ہیں اور وہ بھی جنھیں میں کلام غالب ماننے کو اس وقت تک آمادہ نہیں جب تک کوئی مستند شہادت نہ مل جائے چاہے اپنے انداز کے اعتبار سے وہ مستند اشعار سے کتنے ہی ملتے جلتے کیوں نہ ہوں۔"

اس کے علاوہ انھوں نے اس غزل پر نسخۂ عرشی ہی میں شرح غالب میں دین و دنیا، دہلی اور ہمایوں کا ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔

"تغزل اس کے کلام غالب ماننے میں بے حد تامل ہے خصوصاً اس لئے کہ مرزا صاحب کے سفر بھوپال کا کوئی معمولی اشارہ بھی ہنوز نہیں مل سکا ہے۔"

ان صراحتوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اس غزل کو دیوان غالب میں شامل کرنے میں عرشی صاحب مالک رام صاحب کے یا مالک رام صاحب عرشی صاحب کے شریک ہیں۔ اس کے باوجود مالک رام صاحب نے اپنی تحریر سے یہ تاثر پیدا کیا تو اس کی نفسیاتی توجیہ یہی کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی تحقیقی لغزش کے اس بار گراں کو تنہا اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی تاب نہ لا سکے اور انھوں نے خواہ مخواہ عرشی صاحب کو بھی اس میں اپنا شریک فرض کر لیا۔ جناب مالک رام صاحب کو ان صاحب ذوق اصحاب میں نہیں شمار کیا جا سکتا جو دیوان غالب نسخۂ عرشی کو صرف الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ عرشی صاحب نے بھی اس غزل کو کلام غالب قرار دیا ہے۔

(۴)

مالک رام صاحب کو اس غزل کی حقیقت معلوم ہوئی تو انھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ عرشی صاحب کو اس کی اطلاع دی۔ موصوف رقمطراز ہیں۔

"میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس کی اطلاع مولانا عرشی صاحب کو دی کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ وہ بھی اسے اپنے دیوان میں شامل کریں گے۔ لیکن میرا خط ملنے سے پہلے دیوان کا یہ حصہ چھپ چکا تھا۔ بہر حال انھوں نے غلط نامے میں اس کی تصحیح کر دی۔"

اس سے جہاں ایک طرف یہ صاف ہو جاتا ہے کہ عرشی صاحب نے شرح غالب (نسخۂ عرشی) میں جو رائے سپرد قلم کی ہے وہ ان کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ ہے، وہاں دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی کے غلط نامے میں انھوں نے جو تصحیح کی ہے وہ مالک رام صاحب کی بہم پہنچائی ہوئی معلومات پر مبنی ہے۔ اب دیکھئے کہ تصحیح میں مولانا عرشی صاحب کیا فرماتے ہیں۔

"یہ غزل نکال دی جائے۔ اس کے شائع کرنے والے نے اپنے جعل کا اقرار کر لیا ہے۔"

غزل کو دیوان سے نکال دینے کی ہدایت یا حکم تو بالکل بجا ہے اس پر عمل کرنے میں کسے تامل ہو سکتا ہے۔ لیکن "جعل" کی علت عرشی صاحب کو بھی، موضوع زیر بحث میں، مالک رام صاحب کے بہت قریب لے آتی ہے۔ "جعل کے اقرار" کا اطلاق مولوی محمد ابراہیم خلیل مرحوم کی اس اطلاع پر کیا گیا ہے کہ یہ غزل ان کی کہی ہوئی تھی۔ ان بیچارے نے تو اس مزاحیہ غزل کو "اپریل فول" کے عنوان سے شائع کیا تھا اور مالک رام صاحب کو اطلاعاً یہی لکھا تھا۔ ان کے اس اقدام کو جعل کی کسی تعریف کے ماتحت جعل نہیں کہا جا سکتا۔ بالفرض مشارٌ الیہ اس مذاق کی دوسری شخصیت جوہر قریشی مرحوم ہوں تو جہاں تک میرا علم ہے

مالک رام صاحب یا ان کے دوست نادم سیتاپوری صاحب نے ان سے رجوع ہی نہیں کیا کہ "جعل" کے زبانی یا تحریری اقرار کو آسانی سے ان کی طرف ڈھال دیا جائے۔ رہ گئی ان کی یہ کارگزاری کہ انھوں نے اس غزل کو دین دونیا کو روانہ کردیا تو اشعار کی صحو کا نہ روش کے علاوہ ان کی تمہید میں تصحیح الملک، رحمۃ اللہ علیہ اور متبرک روحانی تحفہ جیسے گوہر غلطاں موجود تھے جن کی پرکھ سے جوہریانِ سخن کو کچھ نہ کچھ اشارہ مل سکتا تھا۔ نادم سیتاپوری نے "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" میں اس غزل سے بحث کرتے ہوئے جوہر قریشی کے ذاتی کردار پر حرف زنی کی ہے، ان کا ذاتی کردار کچھ بھی رہا ہو لیکن اس واقعۂ خاص سے اس کا کوئی تعلق پیدا کرکے اہلِ تحقیق کو ان کی ذمہ داریوں سے مشکل ہی سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ لوگوں کی خوش مذاقی پر محض اس لئے قدغن نہیں لگائی جا سکتی کہ محققینِ غالب کسی ادبی شوشے سے تحقیقی خوطہ کھا جائیں گے۔

(۵)

محقق کو اپنی یا دوسروں کی غلطیوں سے سبق لینا چاہیے خصوصاً ان غلطیوں سے جن سے طریقِ تحقیق کی کوتاہی معلوم ہوتی ہو ایسا سبق لینا چاہیے کہ ہمیشہ یاد رہے اور ایسی غلطیوں کی گرفت کو خواہ وہ کسی لب ولہجہ میں کی گئی ہو گوارا کرنا چاہیے۔ مالک رام صاحب جیسے بلند پایہ محقق سے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اس غلطی کی گرفت کے ہر لب ولہجہ کو گوارا فرمائیں گے۔ لیکن ڈاکٹر گیان چند صاحب نے جب اس کی گرفت کی تو ان کو ان کے لب ولہجہ سے شکایت ہوئی جس کے اظہار کے ساتھ ساتھ انھوں نے "تم دنگم دلی دین" بھی چھپاں کردیا۔

"پچھلے دنوں دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے اردوئے معلّی کا پہلا شمارہ شائع ہوا تو اس میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے "غالب اور بھوپال" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون قلمبند فرمایا۔ اس میں انھوں نے پہلے میرے مرتبہ دیوان اور اس میں اس غزل کی شمولیت کا ذکر کیا۔ مجھے ان کے لب ولہجے سے شکایت نہیں۔ لکم دنکم دلی دین:

- لکم دینکم دلی دین" کے لفظی معنی ہیں "واسطے تمہارے دین تمہارا اور واسطے میرے دین میرا"۔ معلوم نہیں اس فقرے کے استعمال سے مالک رام صاحب کا کیا منشا تھا کیونکہ ان کا اور ڈاکٹر گیان چند صاحب کا دین تو ایک ہی تھا، میری مراد دینِ تحقیق سے ہے اور اس غزل کے سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند صاحب نے اختلافِ دین کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی تھی۔ مالک رام صاحب نے اپنی اسی تحریر میں ڈاکٹر گیان چند صاحب سے ایسے دو سوال بھی پوچھے۔

"لیکن دو سوال ضرور پوچھنا چاہتا ہوں۔ (۱) اگر آپ ہمایوں کے اپریل ۱۹۳۹ء کے شمارے میں اس غزل کو اس تمہید کے ساتھ جو صدر میں درج ہوئی ہے دیکھتے تو کیا کرتے؟ بلکہ کیا آپ نے ہمایوں میں یہ غزل دیکھی بھی یا نہیں۔ اگر دیکھی تھی تو آپ نے کیا کیا؟ (۲) اگر مولوی محمد ابراہیم خلیل مرحوم کی کارگزاری منظرِ عام پر نہ آتی (اور یہ بھی خود میری تلاش کا نتیجہ ہے) اور میں یا جناب عرشی صاحب اس غزل کو شامل دیوان نہ کرتے تو آپ ہمیں کوتاہی کا ذمہ دار گردانتے یا نہیں"۔

ڈاکٹر گیان چند صاحب نے شاید کسی مصلحت کی بنا پر ان سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مالک رام صاحب نے دونوں سوالوں میں ایسی شرطیں لگائی تھیں کہ ان کا سیدھا سادا جواب دینے میں لامحالہ مالک رام صاحب کے موقف کی تائید ہوتی تھی حالانکہ ان کا موقف تحقیق کے بالکل خلاف تھا۔ مالک رام صاحب کو اس جواب سے ذاتی تشفی ہو سکتی تھی کہ مذکورہ صورت حال میں ہر محقق وہی کرتا جو انھوں نے کیا تھا تو اور بات ہے ورنہ ان کے سامنے خود عرشی صاحب کی مثال موجود تھی جنھوں نے اس صورت حال میں ان سے جداگانہ اور محتاط طریقہ اختیار کیا تھا۔ اگر مالک رام صاحب کی اطلاع پر جناب عرشی کے غلط نامے میں انھوں نے تصحیح نہ کردی ہوتی تو بھی وہ دیوان غالب میں مالک رام صاحب کی طرح اس غزل کو شامل کرنے کے مرتکب نہ ہوتے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ مالک رام صاحب کا محض حسن ظن تھا کہ وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ مولانا عرشی صاحب نے اس غزل کو دیوان غالب میں اسی طرح شامل کیا ہے جس طرح مالک رام صاحب نے کیا تھا۔ ہاں عرشی صاحب اس غزل کو دیوان غالب میں سرے سے شامل ہی نہ کرتے تو یہ تحقیق کے منصب کے عین مطابق ہوتا۔

مالک رام صاحب کی طرح دیوان غالب میں اس غزل کی شمولیت کے بعد "کیا کرتے" کے بجائے دریافت طلب بلکہ غور طلب سوال صرف یہ تھا کہ "کیا کرنا چاہئے تھا"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محقق کو صرف ماخذ کے ناقل کا کام انجام نہ دینا چاہئے بلکہ اس کی پوری چھان بین کرنا چاہئے۔ اگر وہ صرف ناقل کا کام انجام دیتا ہے یا ماخذ کی ثقاہت کے بارے میں کچھ شکوک معلوم ہوتے ہیں تو دونوں صورتوں میں اس کا اظہار ضرور کر دینا چاہئے اور بغیر ثبوت کے کسی تحریر یا کلام کو کسی سے اس طرح منسوب نہ کرنا چاہئے کہ یقین نہ ہونے کے باوجود اس پر یقینی انتساب کا دعویٰ ہو۔ چونکہ غالب صدی کے سلسلے میں اس وقت غالب کی زندگی اور کلام پر نئے مواد کی تلاش و جستجو کا بازار گرم ہے اس لئے ان امور پر جتنا زور دیا جائے کم ہے اور نہ وہی حال ہوگا کہ ؎

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

کاش غالب کا ہر محقق فرشتہ نہیں غالب کا آدمی بننے کی کوشش کر سکے۔

نور الحسن ہاشمی

اردو مخطوطات

حال ہی میں شہر بھوپال کی انجمن ترقی اردو کے صدر جناب امیر خاں صاحب نے مرزا عنایت مولانا آزاد سنٹرل لائبریری بھوپال (سابق حمیدیہ لائبریری) کے اردو مخطوطات کی فہرست مجھے بھیجی ہے یہ فہرست رسالہ ہماری زبان میں اس لئے شائع کی جا رہی ہے کہ اہل علم اور اساتذہ ضرورت پڑنے پر اس ذخیرے سے استفادہ کر سکیں

۱۔ دیوان انشاء	انشاء اللہ خاں
۲۔ انتخاب دیوان انشاء	"
۳۔ انتخاب دیوان ظفر جلد چہارم	ابو ظفر بادشاہ
- جوگی نامہ	نظیر اکبر آبادی
۵۔ دیوان مجرم	
۶۔ دیوان مسکین مع خود شبریہ	عبد الواحد مسکین (شاگرد مومن)
۷۔ دیوان دبدبہ	نواب جہانگیر محمد خاں دبدبہ (۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۴ء)
۸۔ دیوان شوکت	یار محمد خاں شوکت (شاگرد غالب)
۹۔ دیوان رافت	مولوی رؤف احمد رافت
۱۰۔ دیوان درد	خواجہ میر محمدی درد
۱۱۔ دیوان مومن	مومن خاں
۱۲۔ دیوان تاجور	نواب شاہجہاں بیگم تاجور
۱۳۔ دیوان مجنون	
۱۴۔ دیوان جرأت	
۱۵۔ کلیات رافت	مولوی رؤف احمد رافت
۱۶۔ مجموعہ غزلیات	
۱۷۔ اسمائے الٰہی منظوم	
۱۸۔ جلوۂ فیض شاہجہانی	زاہد علی زاہد
۱۹۔ شہنشاہ نامہ	یار محمد خاں شوکت
۲۰۔ شاہجہاں نامہ	امجد علی
۲۱۔ شادی سکندر بی بی (مثنوی)	قاضی بدیع الدین (۱۸۴۳ء)
۲۲۔ پریم نامہ	قدرت اللہ
۲۳۔ "	"
۲۴۔ راماین	تلسی داس
۲۵۔ معراج ہندی۔	
۲۶۔ معراج نامہ	مولوی رؤف احمد رافت
۲۷۔ یاد نامہ	یار محمد خاں شوکت
۲۸۔ تاریخ اللطائف	محمد عباس رفعت
۲۹۔ طوطا کہانی	محمد قادری
۳۰۔ چہار درویش	عطا حسین خاں
۳۱۔ چہار باغ	محمد عباس رفعت (شاگرد غالب)
۳۲۔ زلیخا	مولوی رؤف احمد رافت
۳۳۔ حدیقۂ شاہجہانی گلدستہ سلطانی	امجد علی امجد
۳۴۔ خزینۂ جواہر	نواب شاہجہاں بیگم
۳۵۔ تاریخ تال بھوپال	سید محمد اسماعیل
۳۶۔ گلدستۂ عشق	نواب یار محمد خاں
۳۷۔ اسناد رعنائے تیغ العرش	
۳۸۔ دعا ائمہ تیغ وغیرہ	
۳۹۔ رسالہ ترجمہ سورۃ الحمد وغیرہ	
۴۰۔ مناجات	
۴۱۔ علاج المواشی	
۴۲۔ تالیف الایمان	عبد الواحد خاں علوی
۴۳۔ تقصار الامان بذکر حال الکمال	نواب صدیق الحسن خاں
۴۴۔ نصیحۃ المسلمین	مولوی خرم علی
۴۵۔ تاریخ بنگالہ	سید محمد اسمٰعیل
۴۶۔ ذکر شاہجہانی	
۴۷۔ شہادت نامہ	مولوی آل حسن
۴۸۔ مخزن انوار قمر	قمر الدین حسین قمر
۴۹۔ مرآۃ الاقالیم	
۵۰۔ منبع الیانات مع رسالہ توبہ	آل حسن اصول الموبانی
۵۱۔ وسط ایشیا کی سیر	عبد العزیز خاں
۵۲۔ رسالہ نا معلوم الاسم	
۵۳۔ رسالہ بے نام مع نصیحۃ المومنین	
۵۴۔ رسالہ نا معلوم الاسم	
۵۵۔ کتاب تصنیف منشی بڈلال	
۵۶۔ رسالہ قواعد تیر اندازی	
۵۷۔ معرکۂ آرزو	احمد علی لکھنوی
۵۸۔ آداب الحرمین در ارکان حج	شاہ عبد العزیز صاحب
۵۹۔ ترغیب النکاح اول	
۶۰۔ " " دوم	
۶۱۔ " " سوم	
۶۲۔ رسالہ فقہ	
۶۳۔ رسالہ حج	مفتی سعد اللہ
۶۴۔ قواعد السلام	
۶۵۔ تاریخ اللطائف	مولانا عباس رفعت
۶۶۔ تسہیل الفرائض	عبد اللہ
۶۷۔ رسالہ نظم	
۶۸۔ فسانۂ رفعت	یار محمد خاں شوکت
۶۹۔ قصہ راجا	امین الدین
۷۰۔ رسالہ فقہ	
۷۱۔ مفتاح الافلاک	
۷۲۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں	میر احمد صاحب ناظق
۷۳۔ مثنوی قصہ یہودی	مولوی رؤف احمد رافت

۷۴۔ مثنوی میر حسن   میر حسن
۷۵۔ مثنوی حقیقت خاں
۷۶۔ مثنوی پد ماوت   میر غلام عشرت بریلوی
۷۷۔ سورٹھ کی   محمد حسین عطا خاں
۷۸۔ ماہ خورشید   عنایت اللہ خاں نادان
۷۹۔ آمد نامہ   جمال الدین
۸۰۔ بحر القواعد
۸۱۔ گلشن فیض   مولوی عبد الکریم
۸۲۔ تواریخ حافظ رحمت خاں
۸۳۔ دیوان کریم خاں
۸۴۔ دیوان مرزا
۸۵۔ رسالۂ نامعلوم الاسم
۸۶۔ شرح کلام آل رسول
۸۷۔ قواعد شریعت افغان
۸۸۔ مخزن پشتو
۸۹۔ مخزن پشتو
۹۰۔ مخزن پشتو
۹۱۔ مخزن افغانی
۹۲۔ تحفۃ السرور در مدح نواب شاہجہاں بیگم
۹۳۔ قصیدہ در مدح نواب سکندر بیگم
۹۴۔ قصیدہ در مدح نواب سکندر بیگم
۹۵۔ قصیدہ در مدح نواب سکندر بیگم
۹۶۔ قصیدہ در مدح نواب سکندر بیگم
۹۷۔ قصیدہ در مدح نواب قدسیہ بیگم
۹۸۔ درجات بلدان   محمد بشیر الدین
۹۹۔ قصیدہ در مدح نواب شاہجہاں بیگم   علی حسین
۱۰۰۔ قصیدہ در مدح نواب شاہجہاں بیگم   محمد ممتاز علی آہ
۱۰۱۔ شجر نور کی   محمد ایاز خاں
۱۰۲۔ قصیدہ در مدح نواب شاہجہاں بیگم   قدرت اللہ قدرت
۱۰۳۔ قصیدہ در مدح نواب شاہجہاں بیگم   احمد علی
۱۰۴۔ قصیدہ در مدح نواب سلطان جہاں بیگم   محمد حسین خاں
۱۰۵۔ قصیدہ در مدح نواب سلطان جہاں بیگم   قدرت اللہ قدرت
۱۰۶۔ قصیدہ مدح نواب باقی محمد خاں
۱۰۷۔ قصیدہ در مدح جمال الدین خاں
۱۰۸۔ قصیدہ در مدح جمال الدین خاں
۱۰۹۔ قصیدہ در مدح نواب جہانگیر محمد خاں
۱۱۰۔ قصیدہ در مدح نواب معز محمد خاں
۱۱۱۔ قصیدہ در مدح ملکہ معظمہ
۱۱۲۔ قصیدہ در مدح ایجنٹ صاحب بہادر بھوپال
۱۱۳۔ راجہ کشن رام دیوان بھوپال
۱۱۴۔ قصیدہ در مدح ملکہ معظمہ
۱۱۵۔ کتاب در مدح نواب شاہجہاں بیگم   حسین علی خاں
۱۱۶۔ 〃 〃 〃 〃 〃
۱۱۷۔ مثنوی قران السعدین در مدح نواب سلطان جہاں بیگم ۔ سجاد مرزا بیگ تسلیم
۱۱۸۔ مثنوی نشاط افزا در مدح نواب سلطان جہاں بیگم ۔ عبد المجید خاں
۱۱۹۔ مولود محمد   احمد یار خاں
۱۲۰۔ مولود ہندی   خرم علی
۱۲۱۔ مثنوی مولود شریف   عبد المجید خاں
۱۲۲۔ رسالہ نثار نظم
۱۲۳۔ واقعہ علویہ   سید آل حسن
۱۲۴۔ زبدۃ الشرائع   مونس خاں
۱۲۵۔ ابابیل سرکش ہندوستان کا جواب   سید احمد خاں
۱۲۶۔ بیاض اشعار
۱۲۷۔ بیاض مرثیہ وغیرہ
۱۲۸۔ جنتری حاضری (۹) کتب خانہ نواب فیض محمد خاں ۱۲۷۳ھ
۱۲۹۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۳۰۔ رسالۂ نامعلوم الاسم
۱۳۱۔ مجموعہ نقل خطوط
۱۳۲۔ نقل خطوط
۱۳۳۔ مجموعہ اشعار   امان اللہ حسین وغیرہ
۱۳۴۔ ہفت نکتہ   شیخ امان اللہ
۱۳۵۔ گنجینہ
۱۳۶۔ کتاب نامعلوم الاسم
۱۳۷۔ ترجمہ رسالہ فوائد
۱۳۸۔ قرابادین کوکبی
۱۳۹۔ قرابادین کوکبی   از تجربات شوکتی
۱۴۰۔ تجربات شوکتی   نواب یار محمد خاں شوکت
۱۴۱۔ نسخہ جات منتخبہ   تجربات شوکتی
۱۴۲۔ ارشاد المفصل
۱۴۳۔ نقل خرائط

درج ذیل نسخے ایم عرفان صاحب (صدر انجمن ترقی اردو بھوپال) کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں ۔

۱۔ انتخاب کلام ولی دکنی مرتبہ ...
۲۔ مثنوی مقصود عالم ۔ از دیدار ۱۲۷۱ھ
۳۔ دیوان نفیس محمد سلیمان عرف بچے صاحب نفیس متوفی ۱۹۴۶ء
۴۔ بیاض فطرت ۔ حکیم فرانسیس ڈی سلوا فطرت بھوپالی
۵۔ ایک ہندوستانی مجاہد (مولانا برکت اللہ بھوپالی) از ایم عرفان
۶۔ برکت اللہ بلین ملاقات 〃
۷۔ خان سہمین اور قرآن 〃

مراسلہ

بہار میں اردو شعر و ادب

دبستان بہار کے متعلق دہلی جانبدار حلقوں میں بہت سی بدگمانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ خاص کر دبستان لکھنؤ اس سے ہمیشہ بدظن رہا ہے یہ ایک عام بات ہے کہ کسی محدود جغرافیائی اور تاریخی دائرے میں پرورش و پرداخت کے سبب فطری طور پر ذہن و مزاج کا ایک مخصوص رد و یہ بن جاتا ہے اور مقابیت کا احساس اپنے آپ کو بڑا سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ تاہم علمی و ادبی حلقوں میں یہ بات خود ستائی پر محمول کی جاتی ہے۔ اگر صوبہ بہار علم و ادب کے لحاظ سے دبستان لکھنؤ اور دلی سے آگے نہ بڑھ سکا تو یہ ان سے کسی قدر پیچھے بھی نہ رہا۔ خاص کر یہاں ہر دور میں اردو شاعری کا بازار گرم رہا اور ہر عہد میں ماہر فن اور اساتذہ پیدا ہوتے رہے پرانے شعرائے کرام میں مرزا عبد القادر بیدل کا نام سرفہرست آتا ہے اس کے بعد اشرف خاں فغاں، سید محمد شاہ کرناچی، خواجہ امین الدین امین، جبار علی سبیں، محمد روشن جوشش، ہیبت علی خاں حسرت، شیخ محمد عابد دل، میر غلام حسین شورش، مرزا مظہر علی جذب، شیخ غلام یحییٰ حضور، محمد تسلیم اور شیخ غلام علی راسخ ایسے ماہرین فن اور اہل کمال گزرے ہیں جو شاعری کے مورث اعلیٰ ولی دکنی، شاہ حاتم سودا، مرزا جان جاناں مظہر، خواجہ میر درد وغیرہ کے ہم عصر تھے۔ حضرت تاجی، ولی دکنی کے عہد اور راسخ میر کے ہم عصر تھے۔ جوشش میر درد کے پیرو تھے اور حسرت کو مرزا مظہر سے تلمذ حاصل تھا۔ اپنے عہد میں حضرت شاہ تپاں پھلواروی، حضرت شاہ مزد علیہ الرحمۃ طبقہ مشائخ و اہل سلوک میں ایسے نادری گزرے ہیں جن کی مثال اس وقت تک صوبہ بہار کیا دوسرے صوبوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ مرزا احمد نثار، میر ذبیح، ملا احمد، سید شاہ الفت حسین فریاد، بھی اسی بہار کی زمین میں پیدا ہوئے جن کی بدولت دیار سخن کی اجڑی ہوئی اور ویران بستیاں آباد ہوئیں۔ شیخ غلام علی راسخ کے بعد شاہ الفت حسین فریاد عظیم آبادی اساتذہ پٹنہ میں باکمال اور پرانے تہذیب و تمدن کے نمائندہ تھے اور شاد عظیم آبادی ان کے عزیز ترین شاگرد رشید تھے شاد عظیم آبادی بہار کے ایک ایسے نمائندہ شاعر گزرے ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں ہندوستان کے گوشے گوشے کے اساتذہ کرام کو چونکا دیا۔

آج بہار کا اردو ادب انہیں کے بنائے ہوئے ڈگر پر چل رہا ہے جمیل مظہری، اور اجتبیٰ رضوی نے شاد اور آزاد کی نظموں سے استفادہ کیا ہے اور انہیں کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں۔

موجودہ دور میں عطا کاکوی، کلیم عاجز، رضا نقوی واہی، ظہیر صدیقی، علیم اللہ حالی اور نسیم مظفرپوری وغیرہم ایسے شعراء اور ادبا ہیں جن کی حیثیت مسلم ہو چکی ہے ساتھ میں کچھ ایسے فنکار بھی ہیں جن کی ادبی زندگی کی عمر بہت ہی قلیل ہے پھر بھی انہوں نے گراں مایہ خدمت انجام دی ہے۔۔۔!!

(نثار احمد صدیقی)

مناظر عاشق ہرگانوی

اخبار و رسائل میں غالب

(گذشتہ سے پیوستہ)

۸۳۔ غالب کا ایک ادھورا خط (مراسلہ از فرخ جلالی) — یکم مارچ ۶۵ء کے شمارے میں نادم سیتاپوری کے مضمون "ادھوری یادداشتیں" میں غالب کے ایک ادھورے خط پر مزید تحقیق۔ — ۲۲ر مارچ ۶۵ء

۸۴۔ غالب کی یاد (انجمن اردوئے معلیٰ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر اہتمام) — انوار علیگ۔ یکم اپریل ۶۵ء

۸۵۔ غالب کا ایک قطعہ (مراسلہ از ڈاکٹر محمود الٰہی) —
۲۲ر اپریل ۶۵ء

۸۶۔ غالب سینٹینری کمیٹی کی میٹنگ (نئی دہلی) — احمد محی الدین
۱۵ر جون ۶۵ء

۸۷۔ قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ یا نفس رنگ! — مراسلہ (از محمد مصطفیٰ) — قومی زبان کراچی کے مئی ۱۹۶۵ء کے شمارے میں سراج احمد کے شائع شدہ مضمون "غالب سخن ور کا ایک شعر" پر مزید روشنی۔ — ۲۲ر جون ۶۵ء

۸۸۔ اردو غزل عالمی ادبیات میں اہمیت رکھتی ہے — پروفیسر رسل کا اظہار خیال — بحوالہ قومی آواز) — لکھنؤ میں اظہار خیال کرتے ہوئے رسل نے غالب کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ وہ غالب کو سب سے بڑا اردو شاعر مانتے ہیں۔ ۱۵ر جولائی ۶۵ء

۸۹۔ تاجکستان میں غالب پر کتاب — (بحوالہ قومی آواز) — ۸ر اگست ۶۵ء

۹۰۔ پنگوین کے انداز پر اردو کی جیبی کتابوں کے سستے ایڈیشن (رامپور) — یہ چھیڑ غالب سے چلی جائے — ۲۲ر اگست ۶۵ء

۹۱۔ امریکی یونیورسٹیوں میں اردو تعلیم — محمد معظم صدیقی (مقیم امریکہ) — اس وقت چار امریکی طلبہ غالب اور میر کی شاعری پر تحقیق کر رہے ہیں — ۸ر ستمبر ۶۵ء

۹۲۔ غالب کا ایک شاگرد — محمد حسین محمود — کاشف الہاشمی اوجینی — ۲۲ر اکتوبر ۶۵ء

۹۳۔ جنگی کتابوں کا کم خرچ سلسلہ — ذکا صدیقی —
یہ چھیڑ غالب سے چلی جائے — ۲۲ر نومبر ۶۵ء

۹۴۔ اردو شاعری میں قومی جذبات — جے کرشن چودھری حبیب — غالب نے اپنے لطیف انداز میں اس زمانے کی سیاسی بدحالی کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح شاہ ظفر کے ساتھ دلی کی شان و شوکت جاتی رہی — ۲۲ر دسمبر ۶۵ء

۹۵۔ محمود نامہ فارسی — (مراسلہ از جہانگیر چودھری) — غالب کے ایک شاگرد محمد حسین محمود کی ایک تصنیف "محمود نامہ" سے متعلق مزید تحقیق —
۲۲ر دسمبر ۶۵ء

(باقی آئندہ)

اردو مادری زبان کے طلبہ کے لئے اردو اور تلنگی کو لازمی قرار دیا جائے

حیدرآباد۔ جناب حبیب الرحمٰن معتمد عمومی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اردو ہال حمایت نگر میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے دوروزہ پانچویں سالانہ کنونشن میں خطبہ استقبالیہ پڑھتے ہوئے آندھرا پردیش میں اردو بولنے والوں کے مسائل پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ریاستی حکومت پر زور دیا کہ اردو مادری زبان والے طلبہ پر سہ لسانی فارمولا کا اس طرح اطلاق کیا جائے کہ مادری زبان اردو کے علاوہ زبان تلگو ان کو لازمی طور پر سکھائی جائے اور جہاں تک تیسری زبان کا تعلق ہے انھیں اختیار حاصل رہے کہ ہندی اور انگریزی ان دو میں سے کوئی ایک زبان سیکھیں اس سلسلہ میں ایک اور بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ وہ یہ کہ ہر شخص کے لئے تین زبانیں جاننا لازمی نہیں ہے۔ اردو والے اگر اپنی زبان کے علاوہ تلگو لکھنا پڑھنا اور تلگو بول چال سیکھ لیں تو وہ بلا کسی دشواری کے اپنی ریاست کی معاشرتی زندگی کے ہر شعبہ میں بھرپور حصہ لے سکتے ہیں تیسری زبان کی صرف ان لوگوں کی ضرورت ہوگی جو اپنی ریاست سے باہر کل ہند سطح پر یا اس سے بھی آگے عالمی میدان میں قسمت آزمائی کرنا چاہیں گے۔ جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ آندھرا پردیش کی یونی ورسٹیوں میں تلگو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے ابتدائی اقدام کے طور پر تلگو جونیر کالج قائم کئے جا رہے ہیں اس میں اردو جونیر کالج بھی قائم کئے جائیں اور جونیر کالجوں کے قیام میں تلگو اور اردو کے درمیان نامناسب امتیاز روا نہ رکھے بلکہ ہر زبان کے بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے جہاں جس زبان کی ضرورت ہو وہاں اس زبان میں تعلیم کا انتظام کرے یہی نہیں بلکہ آئندہ چل کر جب یونی ورسٹی کی سطح پر بھی انگریزی برخاست ہو جائے گی تو اس کی جگہ تلگو کے ساتھ اردو کی بھی حسب ضرورت متوازی جماعتیں قائم ہونی چاہئیں جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ آندھرا پردیش میں اردو بولنے والے لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اکثریتی زبان کو اس طرح اپنا لیں کہ چند سال بعد وہی ان کی مادری زبان بن جائے ایسا مطالبہ نہ معاشرتی انصاف پر مبنی ہے اور نہ وہ قانون قدرت ہی کے مطابق ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ چند نادان اور متعصب افراد کو چھوڑ کر کوئی سمجھدار آدمی ایسا مطالبہ نہیں کر سکتا کہ شہر حیدرآباد اور اضلاع کے کئی بڑے مقامات پر ایسے ہزاروں طلبہ موجود ہیں جو اب بھی سرکاری مدارس میں ہائر سکنڈری اور ملٹی پرپز کی جماعتوں میں اردو کے ذریعہ تعلیم پا رہے ہیں ان ہی دو جماعتوں کو اسکولوں سے علیحدہ کر کے جونیر کالج قائم کئے جا رہے ہیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان جماعتوں کو جونیر کالج کا نام دیتے ہی وہاں سے اردو برخاست کر دی جائے جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ اردو والے اردو کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں تاہم اردو کا مسئلہ سارے ملک کا مسئلہ ہے جس طرح اس وقت سارے ملک میں لسانی مسئلہ الجھا ہوا ہے اس کو حل کرنا چاہئے اردو زبان کی بقاء اور ترقی کے لئے اردو تعلیم کی اہمیت ہے بعض مقامات پر تو ضلع پریشد پنچایت سمتیاں اشاعت تعلیم کے راستے میں رکاوٹ ثابت ہوئی ہیں۔ جناب حبیب الرحمٰن نے کہا کہ حکومت آندھرا پردیش نے اب تک اردو والوں کے مطالبات کی طرف توجہ نہیں کی صرف اشک شوئی کے طور پر قانون میں ایک دفعہ شامل کر دی گئی ہے جو بہت ہی ناقص اور سراسر ناکافی ہے اس صورت حال پر اپنے مطالبات کی واجبیت سے تلگو بولنے والے بھائیوں کو واقف کراتے ہوئے ان کی ہمدردی حاصل کرنی چاہئے۔ اور ہر قسم کے تشدد اور ہنگامہ آرائی سے ہٹ کر ایک پرامن منظم اور موثر تحریک چلانی چاہئے تاکہ اردو زبان کو ہماری سوشل زندگی میں اس کی واجبی جگہ حاصل ہو جائے۔

اردو افسانے میں جدید رجحانات

لکھنؤ۔ یہاں گورنمنٹ گیسٹ ہاؤس میں شام کو پچھلے اردو کے مشہور نقاد پروفیسر آل احمد سرور نے اردو افسانے کے جدید رجحانات پر ایک عالمانہ تقریر کی جسے سننے کے لئے اردو، ہندی، انگریزی کے بیس کے قریب افسانہ نگار اور نقاد شریک ہوئے تھے۔ پروفیسر سرور نے اردو ادب کے عام رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو نئے افسانے کی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے ان اہم تبدیلیوں کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا جو پوری دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ہو رہی ہیں۔ پروفیسر سرور نے کہا اردو میں ادھر چند برسوں میں جدید ادبی رجحانات پر جو گفتگو اور بحث و مباحثہ ہو رہا ہے اس کی صحیح نوعیت، اہمیت اور سمت کا اندازہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان معیاروں کو ذہن میں رکھیں جو کسی فن پارے کی قدر و قیمت کے تعین میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

اردو میں افسانے کا سرمایہ شاعری کے برابر تو نہیں ہے لیکن وہ قابل قدر ضرور ہے۔ اردو افسانہ کے ارتقا میں کئی اہم موڑ ہیں۔ ترقی پسندی بھی ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتی ہے جس نے ملک کی آزادی کا ساتھ دیا تھا۔ آزادی کے بعد افسانہ کی تھیم اور کردار نگاری میں نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ افسانہ تھیم کے بغیر بھی لکھا جا رہا ہے۔ کردار نگاری کو ہی اہم ترین عنصر نہ سمجھ کر کامیاب افسانے لکھے گئے ہیں جدید رجحانات کے سلسلہ میں بیدی کا طویل افسانہ "ایک چادر میلی سی" بہت ہی اہم ہے۔ لیکن اس کی حقیقی اہمیت نہ تو اس کی پنجاب کی قصباتی زندگی کی تصویر کشی میں

ہے دہی، اس کے خوبصورت انداز بیان میں بلکہ جدید کے علامتی اظہار میں پنہاں ہے۔ اس میں زبان کو جس انداز سے استعمال کیا گیا ہے وہ نئے افسانے کی زبان سے خاص مماثلت رکھتا ہے۔ نیا افسانہ شاعرانہ نہ ہوتے ہوئے بھی شاعری کے بعض لوازمات لئے ہوئے وجود میں آرہا ہے۔ کامو کا اور کچھ دوسرے مغربی ادیبوں مثلاً ہمنگوے کا اثر بھی اس پر ہوا ہے۔ اردو افسانہ میں چیزوں کو اس ترتیب، تنظیم اور اختتام کے ساتھ اب پیش نہیں کیا جاتا جس کے مطابق آزادی سے پہلے کے لکھنے والے کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ پہلے کے لکھے ہوئے افسانے اچھے یا اعلیٰ نہیں تھے۔

انھوں نے کہا۔ اب افسانہ میں کوئی حل نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقتوں کو فلسفیانہ انداز سے دیکھا اور پیش کیا جاتا ہے۔ پروفیسر سرور نے افسانہ کی زبان، پلاٹ، کردار، تنظیم، ترتیب اور منتج ہونے والے حقائق کے تصور میں تبدیلیوں کی وضاحت کرتے ہوئے اردو افسانہ نگار قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، رام لعل، سریندر پرکاش کے علاوہ پاکستان کے لکھنے والوں اور ہندی کے نوجوان افسانہ نگار راج کمل چودھری (مرحوم) کا خاص طور سے ذکر کیا اور کہا ان افسانہ نگاروں میں بعض میلانات توجہ کے قابل ہیں۔

ان کی تقریر کے بعد ایک مباحثہ بھی ہوا جس میں ڈاکٹر ہرش نرائن، شمس الرحمن فاروقی، رام لعل اور ہندی کے کہانی کار شری لال شکل نے حصہ لیا۔ ان کے اٹھائے ہوئے بعض سوالات کے جواب میں سرور صاحب نے مزید وضاحت کی۔ انھوں نے آخر میں اس بات پر زور دیا کہ اس بات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ نئے ادب یا جدید ادب کے نام پر خراب چیزیں زیادہ سامنے آرہی ہیں۔ کافی ہاؤسوں، ریسٹورانوں اور جنسی میلانات سے بھرپور افسانے ہمارے ارد گرد کی ساری زندگی کا احاطہ تو نہیں کرتے لیکن یہ بھی زندگی کا ایک جز ضرور ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کی ہر زبان میں ۹۵ فی صدی ادب ٹریش (TRASH) ثابت ہوتا ہے اور صرف پانچ فیصدی قابل قدر قرار پاتا ہے لیکن اس پانچ فی صدی اچھے ادب کی تخلیق کے لئے ۹۵ فی صدی ٹریش ادب کا تخلیق کیا جانا بھی ضروری ہو جاتا ہے ورنہ وہ اچھا ادب کبھی وجود میں نہیں آسکتا۔ میں ماؤزے تنگ کے سیاسی خیالات سے اتفاق نہ رکھتے ہوئے بھی ان کے کہے ہوئے اس جملے کو یہاں استعمال کروں گا کہ ہزاروں گلابوں کو کھلنے دیا جائے۔ ہر گلاب کی اپنی ایک الگ خوشبو اور رنگت ہو سکتی ہے۔ ہر طرح کے پھولوں کا کھلتے رہنا ضروری ہے۔ اس خصوصی نشست میں پروفیسر نورالحسن ہاشمی، خلیق انجم، فرید احمد خسرو، امین الرحمٰن، ڈاکٹر دیر بہادر سنگھ، ڈاکٹر بشیشر پردیپ، ڈاکٹر مسعود رضوی، علی گڑھ کے نوجوان شاعر شہریار، علی شاہد صدیقی، بیگم سیدہ نسیم، خلیق صفی الحسن چشتی، رام لعل، شمس الرحمن فاروقی، شری لال شکل، اصدیق احمد صدیقی، اور سریندر تیواری نے بھی شرکت کی۔ (نامہ نگار)

غالب اکیڈمی کی زیر تعمیر عمارت اور لائبریری کا قیام

دلی۔ غالب اکیڈمی کی زیر تعمیر عمارت پوری تیز رفتاری سے تکمیل کی منزلیں طے کر رہی ہے۔ یقین ہے ۲۱ر فروری ۱۹۶۹ء کو پروگرام کے مطابق افتتاح کی رسم ادا کی جاسکے گی۔ عمارت کی تعمیر کے ساتھ ساتھ غالب میوزیم اور کتب خانے کے ساز و سامان کی فراہمی کی مہم بھی جاری ہے۔ میوزیم کے سامان کی تیاری میں آرٹسٹ مصروف ہیں۔ کتب خانہ کے کتابوں کی فراہمی کا کام بھی شروع ہوگیا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ افتتاح کے وقت کم از کم ۵ ہزار کتابیں اکیڈمی کے کتب خانے کی الماری میں بھی ہو گئی ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ اہل قلم حضرات اور علمی ادارے اپنی مطبوعات اکیڈمی کو تحفتاً عنایت فرما کر اس کے کتب خانہ کو غالب کے شایان شان بنانے میں فراخ دلی سے اکیڈمی کا ہاتھ بٹائیں گے۔ اکیڈمی اپنی مطبوعہ رپورٹ میں ان عطیات کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرے گی۔ (نامہ نگار)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے مسلم کلچرل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا